# علامہ ابن قیمؒ اور نقدِ حدیث

ڈاکٹر محمد سلیم قاسمی

علامہ حافظ ابن قیمؒ آٹھویں صدی ہجری کے مشہور امام ہیں۔ انھیں تفسیر، حدیث اور فقہ میں عبور حاصل تھا۔ ان علوم میں انھوں نے نمایاں خدمات اور عظیم الشان کارنامے انجام دیے ہیں۔

## مختصر حالاتِ زندگی

حافظ ابن قیمؒ ۶۹۱ھ مطابق ۱۲۹۲ء میں دمشق میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ابوبکر بن ایوب وہاں مدرسۃ الجوزیۃ کے 'قیّم' (مہتمم) تھے۔ اسی بنا پر انھیں ابن القیم الجوزیۃ کہا جاتا ہے۔ انھوں نے علم الفرائض اپنے والد سے سیکھا، جس میں انھیں مہارت حاصل تھی۔ دیگر علوم و فنون اپنے زمانے کے مشہور اساتذہ اور شیوخ سے حاصل کیے۔ انھوں نے اپنے زمانے کے جن نامور ائمہ اور محدثین سے احادیث اخذ کیں ان میں سرفہرست علامہ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) ہیں، جن سے انھیں خصوصی تعلق تھا۔ ۷۱۲ھ میں جب ابن تیمیہؒ مصر سے دمشق واپس آئے تو ابن قیم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی وفات تک برابر ان کی خدمت میں رہے، ایک لمحے کے لیے بھی ان سے مفارقت گوارا نہ کی۔ اس طویل صحبت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر ابن تیمیہ کا رنگ اور ان کا فکر و فلسفہ غالب آ گیا۔ ابن تیمیہ کی وفات کے بعد ان کی کتابوں کی تہذیب وتبویب اور نشر و اشاعت میں آپ کا بڑا حصہ رہا۔ علامہ ابن قیم نے ساٹھ سال کی عمر میں ۱۳؍رجب ۷۵۱ھ مطابق ۶؍اگست ۱۳۵۰ء میں دمشق میں وفات پائی اور اپنے والد محترم کے پہلو میں باب الصغیر کے قبرستان میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ کے مشہور شاگردوں میں شیخ زین الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن رجب (مصنف طبقات الحنابلۃ)، محمد بن رافع الشافعی اور آپ کے فرزند ابراہیم ابن القیم الجوزیۃ نمایاں ہیں۔

## نقدِ حدیث کے موضوع پر تصنیف

حافظ ابن القیم نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں، جن میں بیش تر دست بر دِ زمانہ سے نادرالوجود ہوچکی ہیں۔ حافظ ابن العماد حنبلیؒ نے 'شذرات الذہب' میں پینتالیس (۴۵) اور بروکلمان نے اپنی 'تاریخ ادبیات عربی' میں ان کی باون (۵۲) کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں 'المنار المنیف فی الصحیح والضعیف' ایک اہم تصنیف ہے، جو دست بردِ زمانہ سے محفوظ رہی اور اب شائع ہوچکی ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے نقد حدیث کے اصولوں پر تفصیلی بحث کی ہے اور معرفتِ حدیث کے ضوابط اور موضوع روایتوں کی پہچان اور اس کی علامات بیان کی ہیں، پھر ان کی روشنی میں موضوع اور غیر صحیح روایتوں کی نشان دہی بھی کی ہے۔ یہ کتاب انھوں نے ایک سائل کے جواب میں لکھی تھی۔ سوال یہ تھا کہ کیا سند دیکھے بغیر کسی ضابطے کے تحت موضوع روایتوں کی شناخت ممکن ہے؟ شیخ نے اس کے جواب میں لکھا تھا:

هذا سوال عظيم القدر وانما يعرف ذلك من تضلّع في معرفة السنن الصحيحة واختلطت بلحمه ودمه وصار له فيها ملكة واختصاص شديد بمعرفة السنن والآثار ومعرفة سيرة الرسول عليه الصلاة والسلام وهديه فيما يامر به وينهى عنه ويخبر عنه ويدعو اليه ويحبه ويكرهه ويشرعه للأمة بحيث كانه مخالط له عليه الصلاة والسلام بين أصحابه الكرام فمثل هذا يعرف عن أحواله وهديه وكلامه وأقواله وأفعاله۔[1]

یہ بڑے مرتبہ کا سوال ہے۔ انھیں وہی جان سکتا ہے جو سنن پر حاوی ہو اور جس کے خون و گوشت میں وہ مخلوط ہوگئی ہوں اور ان میں اس کو ملکہ حاصل ہوگیا ہو۔ اور سنن و آثار کے پہچاننے میں اور حضور ﷺ جس چیز کی ہدایت دیتے تھے، جس کا حکم دیتے تھے، جس سے منع فرماتے تھے، جس چیز کی خبر دیتے تھے، جس بات کی دعوت دیتے تھے، جس بات کو پسند کرتے تھے، جس کو برا سمجھتے تھے، جس کی امت کو تعلیم دیتے تھے، سب کو جاننے میں اس کو اختصاص حاصل ہوگیا ہو۔ گویا وہ حضور کے سامنے ہو اور صحابہ کے ساتھ ہو۔ اس طرح کا آدمی حضور ﷺ کے احوال، ہدایت، کلام اور اقوال وافعال کو جان سکتا ہے۔

## نقدِ حدیث بذریعہ درایت

حدیث کی اس طرح معرفت اور نقد وتحقیق 'درایت' کہلاتی ہے، جو بڑا اہم اور مشکل فن ہے۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث، جیسے علامہ ابن جوزیؒ اور امام جوزقانیؒ سے لے کر امام ذہبیؒ تک، بلکہ ان کے بعد کے ائمہ نے بھی اس فن میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ ان ہی ائمہ میں حافظ ابن قیم کا بھی شمار ہوتا ہے۔

یہ فن درحقیقت ایسے ملکہ کا نام ہے جو حدیث رسول سے بہت زیادہ ممارست کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح ایک جوہری جوہر پرکھنے کے راز کو مدتوں اس میں وقت لگانے کے بعد حاصل کرتا ہے اور پھر وہ اپنے علم و ہنر کی بنیاد پر کسی کو ہیرا اور کسی کو خذف ریزہ کہتا ہے، اسی طرح معرفت حدیث کا ملکہ بھی حدیث سے طویل مشق وممارست کے بعد حاصل ہوتا ہے، جس کی بنیاد پر حدیث کا پارکھ پہچان لیتا ہے کہ یہ حدیث ہے یا نہیں۔

اس علم وفن کی حقیقت بیان کرتے ہوئے علامہ سخاویؒ حافظ دقیق العیدؒ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ''الفاظ حدیث سے بہ کثرت ممارست کے نتیجے میں ایک روحانی ہیئت اور قوی ملکہ حاصل ہوتا ہے، جس سے یہ معلوم کرنا آسان ہوتا ہے کہ الفاظ نبوی کیا ہو سکتے ہیں اور کیا نہیں'' [۲]

صحیح حدیثوں میں قرآن کی نورانیت اور دن کے مانند روشنی ہوتی ہے، جس سے اہل بصیرت اسے پہچان لیتے ہیں اور موضوع روایتوں میں سطحیت، بے تکا پن اور جھوٹ کی تاریکی ہوتی ہے، جس سے وہ ناقابل قبول قرار پاتی ہیں۔ مشہور تابعی ربیع بن خثیمؒ نے فرمایا کہ ''حدیث صحیح میں دن کے مانند ایک خاص قسم کی روشنی ہوتی ہے، جو ارباب بصیرت کے نزدیک پہچانی جاتی ہے اور موضوع روایت میں رات کی تاریکی کے مانند ایک خاص قسم کی تاریکی ہوتی ہے، جس کو ارباب بصیرت قبول نہیں کرتے''۔

حافظ ابن قیم حدیث کے ان ائمہ میں سے ہیں جو اس علم سے بخوبی واقفیت رکھتے تھے۔ وہ موضوع روایتوں کی پہچان بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| الاحادیث الموضوعة علیها ظلمة ورکاکة ومجازفات باردة تنادی علی وضعها واختلاقها علی رسول الله ﷺ [۳] | موضوع روایتوں میں تاریکی، سطحیت اور کھلا ہوا بے تکا پن ہوتا ہے، جو اس کے موضوع ہونے کو علی الاعلان خود ظاہر کرتا ہے۔ |

مثال کے طور پر ایک روایت ہے:

| | |
|---|---|
| من صلّی الضحیٰ کذا او کذا رکعة اعطی ثواب سبعین نبیا۔[۴] | جس نے چاشت کی اتنی اتنی رکعت نماز پڑھی اس کو ستّر نبیوں کا ثواب دیا جاتا ہے۔ |

اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ ابن قیم نے فرمایا کہ یہ موضوع ہے۔اس کی دلیل انھوں نے یہ دی کہ غیر نبی کی نماز کا ثواب اتنا نہیں ہوسکتا جتنا ایک نبی کی نماز کا ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ یہ روایت وضع کرنے والا اتنا جاہل تھا کہ اسے یہ پتہ نہیں کہ اگر ایک غیر نبی کو عمر نوح مل جائے اور وہ مسلسل نماز پڑھتا رہے تب بھی وہ ایک نبی کے ثواب کے برابر حق دار نہیں ہوگا[۵] (چہ جائے کہ اسے ستر نبیوں کا ثواب ملے)۔

کلامِ نبوی کی پرکھ رکھنے والے اچھی طرح پہچانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا کلام کیسا ہوتا تھا۔اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص برسوں کسی کی خدمت کرے، جس سے وہ اس کی پسند و ناپسند سے واقفیت حاصل کرلے، پھر کوئی شخص اس کی پسندیدہ شئے کے بارے میں یہ کہے کہ وہ اسے ناپسند کرتا تھا تو یہ شخص کہنے والے کی فوراً تردید کرے گا۔اسی طرح کوئی شخص اس کی ناپسندیدہ شئے کے بارے میں یہ دعویٰ کرے کہ وہ اسے پسند کرتا تھا تب بھی یہ شخص کہنے والے کی فوراً تردید کرے گا۔ علامہ ابن قیم کہتے ہیں کہ حدیث جس شخص کی رگ رگ میں پیوست ہوگئی ہو اس کے لیے یہ جان لینا مشکل نہیں کہ کلام نبوی کیا ہوسکتا ہے کیا نہیں، آپ کا کلام 'وحی یوحی' ہوتا تھا۔اس لحاظ سے آپؐ کے کلام سے کسی قرآنی اصول کی خلاف ورزی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| ان یکون کلامه لایشبه کلام الانبیاء فضلا عن کلام الرسول ﷺ الذی هو وحی یوحیٰ، فیکون الحدیث مما لایشبه الوحی بل لایشبه کلام الصحابة۔[۶] | ضعیف وہ کلام بھی ہے جو کلام انبیاء کے مشابہ نہ ہو، چہ جائے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا کلام ہو، جن کے پاس وحی آتی تھی، لہٰذا ایسی حدیث جو وحی کے مشابہ نہ ہو، بلکہ وہ کلام صحابہ کے مشابہ بھی نہ ہو، ضعیف ہوگی۔ |

مثال کے طور پر ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے:

ثلاثة تزيد في البصر: النظر الى الخضرة و الماء الجاري و الوجه الحسن .[7]

تین چیزیں بصارت میں اضافہ کرتی ہیں: سبزہ کی طرف دیکھنا، بہتے ہوئے پانی کو دیکھنا اور خوب صورت چہرہ کو دیکھنا۔

دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں:

النظر الى الوجه الجميل عبادة ۔[8]

خوب صورت چہرہ کو دیکھنا عبادت ہے۔

حافظ ابن قیم نے ان روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

كل حديث فيه ذكر حسان الوجوه او الثناء عليهم اوالامر بالنظر اليهم او التماس الحوائج منهم او ان النار لاتمسهم فكذب مختلق وافك مفترى۔[9]

ہر وہ روایت جس میں خوب صورت چہرہ والوں کا ذکر ہو، یا ان کی تعریف کی گئی ہو، یا ان کو دیکھنے کا حکم دیا گیا ہو، یا ان سے ضروریات طلب کرنے کی بات کہی گئی ہو، یا ان کو عذاب نہ دیے جانے کی بشارت دی گئی ہو، ایسی تمام روایات موضوع اور بہتان کے قبیل سے ہوں گی۔

اسی طرح وہ تمام روایات بھی موضوع شمار ہوں گی جن میں احمد یا محمد نام رکھنے والے کے عذاب جہنم سے نجات پانے کی بات کہی گئی ہو۔ جیسے یہ روایت:

''اے محمد (ﷺ) اللہ عز وجل آپ پر سلام بھیجتا ہے اور کہتا ہے کہ میری عزت و جلال کی قسم، میں کسی ایسے شخص کو عذاب نہیں دوں گا جس کا نام آپ کے نام پر ہوگا۔''[10]

اس روایت کو حافظ ابن قیم نے موضوع قرار دیا ہے[11] کیونکہ یہ بات اصول شریعت سے ثابت ہے کہ قیامت میں کوئی شخص رنگ و نسل، نام و لقب، جنس و ذات، قرابت و رشتہ داری، کسی پیر یا پیغمبر کی طرف نسبت وغیرہ کے ذریعہ نجات نہیں حاصل کرسکتا۔ نجات کا دارومدار ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ کوئی شخص ان سے محروم ہو تو اسے ہرگز نجات نہیں مل سکتی، خواہ وہ نبی کے جگر کا ٹکڑا کیوں نہ ہو۔

حافظ ابن قیم نے ان تمام روایات اور مزعومات کو بھی باطل قرار دیا ہے جن میں

رسول اللہ ﷺ کے علم غیب سے متصف ہونے کا ذکر کیا گیا ہے[۱۲]۔ کیونکہ یہ روایات درج ذیل قرآنی آیت کے خلاف ہیں:

| | |
|---|---|
| قُل لَّآ أَمۡلِکُ لِنَفۡسِیۡ نَفۡعاً وَلاَ ضَرّاً إِلاَّ مَا شَاء اللّـہُ وَلَوۡ کُنتُ أَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ لاَسۡتَکۡثَرۡتُ مِنَ الۡخَیۡرِ وَمَامَسَّنِیَ السُّوءُ۔ (الاعراف:۱۸۸) | اے نبی! کہہ دیجیے کہ میں اپنے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں، مگر جو اللہ چاہے۔ اگر میں غیب کو جانتا تو اپنے لیے بہت سی بھلائی جمع کر لیتا اور کوئی تکلیف مجھے نہ لاحق ہوتی۔ |

قرآن کریم حدیث نبویؐ کی اصل و اساس ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے تمام افعال و اقوال قرآن کے ترجمان ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے کہ جب حضرت عائشہ سے نبی ﷺ کی سیرت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: کَانَ خُلُقُہُ الۡقُرآن[۱۳] (آپ کا اخلاق قرآن تھا) اور قرآن کریم میں ہے: ''وَاَنۡزَلۡنَا اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیۡھِمۡ'' (النحل:۴۴) (ہم نے آپ کی طرف قرآن اتارا، تاکہ آپ اس چیز کو لوگوں سے کھول کر بیان کر دیں جو ان کی طرف اتارا گیا)۔ اس لیے آپؐ جو فرمائیں گے وہ سب قرآن کی تفسیر و توضیح ہوگی۔ اس لحاظ سے اگر کوئی روایت قرآن کے کسی صراحتِ بیان سے ٹکرائے تو محدثین کا فیصلہ ہے کہ وہ فرمان نبوی نہیں ہوسکتا۔[۱۴] حافظ ابن قیم نے فرمایا کہ ہر وہ روایت جو صراحتِ قرآن کے خلاف ہو، موضوع ہے۔[۱۵]

حافظ ابن قیمؒ نے اسی اصل کے تحت ان تمام روایات کو بھی موضوع قرار دیا جن میں دنیا کی کوئی مدت مقرر کی گئی ہے[۱۶] (کہ اس کے بعد دنیا ختم ہوجائے گی)۔ اس لیے کہ یہ قرآن کے درج ذیل بیان کے خلاف ہیں:

| | |
|---|---|
| یَسۡئَلُکَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَۃِ قُلۡ إِنَّمَا عِلۡمُھَا عِندَ اللَّہِ ۔(الاحزاب:۶۳) | لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ کہہ دیجیے کہ اس کا علم اللہ کے پاس ہے۔ |

اسی طرح انھوں نے ان تمام روایات کو بھی موضوع قرار دیا ہے جن میں حضرت خضر علیہ السلام کو بقید حیات بتایا گیا ہے۔ مثلاً ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک آدمی کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ باہر جا کر دیکھا تو

وہ حضرت خضر تھے۔[۱۷] ایسی روایات کے بارے میں علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| الاحادیث التی یذکر فیھا الخضر وحیاتہ کلھا کذب ولا یصح فی حیاتہ حدیث واحد۔[۱۸] | وہ تمام روایات، جن میں حیات خضر کا تذکرہ ہے، وہ سب جھوٹی ہیں۔ ان کی حیات جاودانی سے متعلق ایک بھی روایت صحیح نہیں۔ |

ائمہ ومحدثین میں امام بخاریؒ، علامہ ابن جوزیؒ اور امام ابن تیمیہؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ حیات خضرؑ کا تصور قرآن وسنت، اجماع اور عقل کے منافی ہے۔[۱۹] قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ** (الانبیاء:۳۴) (ہم نے آپ سے قبل کسی کو دائمی زندگی نہیں عطا کی۔ اگر آپ پر موت آئے گی تو کیا یہ ہمیشہ زندہ رہیں گے)۔ اور حدیث صحیح میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: **لا یبقی علی رأس مأۃ سنۃ ممّن ھو الیوم علی ظھر الارض**[۲۰] (آج جو لوگ زندہ روئے زمین پر موجود ہیں ان میں کوئی بھی آئندہ سو سال کے بعد زندہ نہیں رہے گا)۔

حافظ ابن قیمؒ نے امام ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر حضرت خضر زندہ ہوتے تو خدمت اقدس ﷺ میں ضرور حاضر ہوتے۔ ان پر لازم تھا کہ نبی آخر الزماں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں۔[۲۱]

بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے بعض اولیاء عراق میں اب بھی زندہ ہیں، جب تم ان کو دیکھو تو ان سے میرا سلام کہنا۔[۲۲] حافظ ابن قیمؒ نے فرمایا کہ اس طرح کی روایات شواہد صحیحہ کے خلاف ہیں۔[۲۳] اس کے علاوہ وہ قرآنی آیت کے بھی خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

| | |
|---|---|
| وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ۔ (آل عمران:۸۱) | اور جب اللہ نے نبیوں سے یہ عہد لیا کہ تمھیں کتاب وحکمت دیے جانے کے بعد تمھارے پاس کوئی رسول آئے جو تصدیق کرتا ہو اس چیز کی جو تمھیں دی گئی تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ |

اس لحاظ سے اگر حضرت عیسیٰؑ کے بعض اولیاء زندۂ جاوید ہوتے تو جو چیز انبیاء کے لیے لازم تھی وہی ان کے متبعین کے لیے بھی لازم تھی کہ وہ آپؐ کی شریعت پر ایمان لاتے اور آپؐ کی اتباع کرتے۔ حافظ ابن قیم لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| الاتری ان عیسیٰ علیه السلام اذا نزل الی الارض یصل خلف امام ھذه الامة ولا یتقدم لئلا یکون ذٰلک خدشاً فی نبوة نبینا ﷺ۔۲۴ | کیا تمھیں یہ نہیں معلوم کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نزول فرمائیں گے تو اس امت کے امام کے پیچھے نماز ادا فرمائیں گے اور خود امامت نہیں کریں گے، تا کہ ہمارے نبی ﷺ کی نبوت میں خدشہ نہ ہو۔ |

حافظ ابن قیمؒ نے ان تمام روایات کو بھی موضوع قرار دیا ہے جن میں کسی پیشے یا اسے اختیار کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہو یا ان سے کسی علاقہ، ملک وقوم یا خاندان کی تحقیر ہوتی ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ کپڑا بُننے والے، موچی، رنگ ریز یا کوئی اور مباح کام کرنے والے کی مذمت میں تمام روایات رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ و افترا ہیں، اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول کسی مباح پیشہ اختیار کرنے والے کی مذمت نہیں کرتے۔۲۵

اسی طرح کسی قوم، ملک یا خاندان کی تحقیر کرنے والی روایات بھی موضوع ہیں، جیسے حبشہ، سوڈان، ترک، ہجڑے اور غلاموں کی برائی بیان کرنے والی روایات۔ کیونکہ فرمان الٰہی ہے: اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰکُمۡ (الحجرات:۱۳) (اللہ کے نزدیک بہترین وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہو) اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ (تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں) اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: لافضل لعربی علی عجمی ۲۶ (کسی عرب کو محض عرب ہونے کی وجہ سے عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں)۔ لہٰذا نسل، ذات، برادری اور ملک وقوم کی بنیاد پر نہ کوئی اچھا ہے نہ کوئی برا۔ انسان کے اچھے اور برے ہونے کا پیمانہ تقویٰ اور پرہیز گاری ہے۔ ان اصولوں کی بنیاد پر درج ذیل روایات موضوع قرار دی گئی ہیں:

''برا غلام حبشی ہے۔ جب شکم سیر ہوتا ہے تو زنا کرتا ہے اور جب بھوکا ہوتا ہے تو چوری کرتا ہے۔''۲۷

''زیدی لوگ اس امت کے مجوس ہیں۔ اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت مت کرو اور اگر وہ مرجائیں تو ان کی نماز جنازہ میں مت شریک ہو۔'' ۲۸

''لوگوں میں سب سے برے تاجر اور کاشت کار لوگ ہیں۔'' ۲۹

''حجام اور کپڑا بننے والوں سے مشورہ مت کرو اور نہ ان کو سلام کرو۔'' ۳۰

''درزی لوگ میری امت کے بخیل ہیں۔'' ۳۱

''عرب کے تمام قبائل میں سب سے برا قبیلہ بنوامیہ ہے۔'' ۳۲

اسی طرح حضرت معاویہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور اموی خلفاء: ولید اور مروان بن الحکم کی مذمت کرنے والی یا عباسی خلفا: منصور، سفاح اور رشید کی تائید کرنے والی، یا اولاد عباس پر آگ کی حرمت بیان کرنے والی تمام روایات باطل ہیں۔ ۳۳

یوم عاشوراء کے سلسلے میں صحیح روایات سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس دن روزہ رکھنا مستحب ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے یہود کو اس دن روزہ رکھتے دیکھ کر آپؐ نے پوچھا کہ یہ کیسا روزہ ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی اور فرعون کو غرق کیا تھا، اس لیے ہم اس دن بطور شکرانہ روزہ رکھتے ہیں۔ تب آپؐ نے فرمایا کہ ہم تمہارے مقابلے میں اس دن روزہ رکھنے کے زیادہ مستحق ہیں، چنانچہ آپؐ نے اس دن روزہ رکھا اور دوسرے لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ ۳۴ لیکن رمضان کے روزے فرض ہونے کے بعد آپؐ نے اس روزہ سے متعلق فرمایا کہ جس کا جی چاہے رکھے اور جس کا جی نہ چاہے نہ رکھے۔ ۳۵ صحیح احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس روزہ کو رمضان کے بعد تمام روزوں میں سب سے افضل قرار دیا گیا، لیکن ساتھ ہی یہ تاکید بھی فرمائی گئی ہے کہ یوم عاشوراء سے پہلے یا بعد میں بھی ایک دن روزہ رکھا جائے، تاکہ یہود کی مخالفت ہو۔ ۳۶ لیکن یوم عاشوراء کے روزہ کی فضیلت پر بہت سی ایسی روایتیں بھی پائی جاتی ہیں، جن کا کوئی استناد نہیں، مثلاً یہ روایت کہ: ''جس نے عاشوراء کا روزہ رکھا اللہ اس کے لیے ساٹھ سال کی عبادت کا ثواب لکھے گا''۔ حافظ ابن قیمؒ نے فرمایا کہ یہ روایت موضوع ہے، کیونکہ اسے حبیب ابن الحبیب نے ابراہیم الصائغ سے نقل کیا اور ابراہیم نے میمون بن مہران سے

اور میمون نے ابن عباس سے۔ اس سند میں حبیب کذّاب ہے، جو حدیثیں وضع کرتا تھا۔ [۳۷]

اس کے علاوہ اس موضوع پر دیگر بہت سی روایات ہیں، جو موضوع ہیں جیسے:

''جو شخص قتلِ حسین کے دن روئے گا وہ قیامت میں اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ ہوگا۔'' [۳۸]

''جو شخص عاشوراء کے دن آنکھوں میں اثمد (سرمہ) لگائے گا اس کی آنکھ کبھی نہیں دُکھے گی۔'' [۳۹]

''جو شخص یوم عاشوراء کو اپنے اہل و عیال پر فراخی کرے گا اللہ اسے پورے سال فراخی دے گا۔'' [۴۰]

''یوم عاشوراء میں اللہ نے زمین، آسمان، لوح وقلم، جبرئیل، ملائکہ اور حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اور اسی دن اللہ رب العزت عرش پر مستوی ہوا اور قیامت بھی اسی دن آئے گی۔'' [۴۱]

یہ تمام روایات باطل ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ کے علاوہ علامہ ابن جوزی، ملّا علی القاری اور مولانا عبدالحئیؒ لکھنوی وغیرہ نے بھی ان روایات کو بے اصل قرار دیا ہے۔ اس دن مخصوص نمازیں پڑھنے اور تیل، سرمہ، خوشبو وغیرہ لگانے کی فضیلت بیان کرنے والی روایات، یا اس دن کو حزن و ملال کے دن کی حیثیت سے منانے اور ماتم کرنے پر ابھارنے والی روایات حدیث کے نام پر افتراء ہیں۔ [۴۲]

## نقدِ حدیث بذریعہ سند

حافظ ابن قیمؒ حدیث کے ان ائمہ میں سے ہیں جن کی نگاہ متن اور سند دونوں پر رہتی تھی۔ انھوں نے حدیثوں کی ایک بڑی تعداد کو سند و رجال کی بنیاد پر ہی موضوع قرار دیا ہے۔ جیسے یہ روایت: ابوالعلاء نے نافع عن ابن عمر مرفوعاً نقل کیا ہے: **من کفن میتا فان له بکل شعرة نصیب کفنه عشر حسنات** [۴۳] (جس نے کسی میت کو کفن پہنایا اس کے لیے میت کے ہر بال کے عوض دس نیکیاں ہیں)۔ اس کے بارے میں حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ ابوالعلاء حضرت نافع سے ایسی روایات بیان کرتا تھا، جو ان کی حدیثیں نہیں ہوتی تھیں۔ اس لیے اس سے استدلال جائز نہیں۔ [۴۴]

اسی طرح ایک روایت، جسے محمد بن عبدالرحمٰن بن البیلمانی نے عن ابن عمر عن النبی ﷺ کی سند سے بیان کیا ہے، اس میں ہے کہ جس نے عید الفطر کے اگلے دن روزہ رکھا اس نے گویا زمانہ بھر کا روزہ رکھا۔[۴۵] اس کے بارے میں حافظ ابن قیمؒ نے فرمایا: کہ یہ روایت موضوع و باطل ہے، کیونکہ ابن البیلمانی مناکیر کی روایت کرتا تھا۔ امام بخاری، ابوحاتم الرازی اور امام نسائی نے بھی اسے منکرالحدیث قرار دیا ہے۔ یحییٰ بن معین نے کہا: ''لیس بشیئ'' (وہ کچھ بھی نہیں)۔ امام دارقطنی اور حمیدی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ اس سے استدلال جائز نہیں۔[۴۶]

ایک اہم بات یہ ہے کہ نقدحدیث کے معاملے میں حافظ ابن قیمؒ پر متشدد ہونے کا کوئی الزام نہیں ہے، جیسا کہ علامہ ابن جوزیؒ پر ہے، لیکن نقد حدیث کے ذیل میں جب وہ بعض ابواب کے متعلق کہتے ہیں ''کہ اس باب کی تمام روایات باطل ہیں''، یا چند روایات کا استثناء کر کے کہتے ہیں ''ماسواہ باطل'' (ان کے سوا تمام روایتیں باطل ہیں) تو اس پر بعض ائمہ نے تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ ان ابواب میں بعض حدیثیں حسن اور ضعیف اور بعض صحیح درجے کی بھی ہوتی ہیں، اس لیے ان سب پر باطل روایات کا اطلاق درست نہیں۔[۴۷]

دوسری طرف حافظ ابن قیمؒ بعض روایات کو ان میں پوشیدہ کسی علّت کی بنیاد پر باطل یا موضوع قرار دیتے ہیں، لیکن ان پر حکم لگاتے وقت وہ متن کی خرابی کو اس کے راویوں ہی کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ حالاں کہ ان میں بعض راوی دیگر ائمہ کے نزدیک ثقہ، بعض درمیانی درجے کے اور بعض ضعیف ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ ائمہ نقد حدیث میں ہر ایک کا معیار الگ تھا، جس سے وہ روایات کی نقد و تحقیق کرتے تھے۔ مثلاً امام بخاری و مسلم کا ایک معیار تھا جس کی بنیاد پر وہ روایات پرکھتے تھے۔ اسی طرح ابوعبداللہ الحاکم نیساپوری اور متاخرین میں علامہ جلال الدین سیوطی کا بھی ایک معیار تھا۔ دونوں میں فرق ظاہر ہے۔ یعنی جو روایات امام بخاری و مسلم کے یہاں ضعیف ہوتی ہیں وہ امام حاکم اور سیوطی کے یہاں صحیح درجہ کی قرار پاتی ہیں۔ راویانِ حدیث میں کوئی راوی متفقہ طور پر نہ ثقہ تھا نہ ضعیف، کیونکہ ائمہ جرح و تعدیل میں ہر ایک کا معیار الگ تھا۔ راویوں پر جرح و تعدیل کے معاملہ میں ان میں کوئی

متشدد، کوئی متساہل اور کوئی متوسط تھا۔ ہر ایک کے اپنے اصول اور اپنا معیار تھا۔ ان ائمہ میں حافظ ابن قیمؒ کا طریقہ اعتدال پر مبنی تھا۔ ان کے یہاں نہ علامہ ابن جوزی کی طرح تشدد تھا، نہ سیوطی کی طرح تساہل۔ وہ کسی روایت پر سنداً ومتناً دونوں طرح سے نقد وتحقیق کرتے تھے۔

نقد حدیث کے سلسلے میں حافظ ابن قیمؒ کا اعتماد محض سند پر مبنی نہیں تھا، بلکہ وہ متنِ حدیث کی تحقیق قرآن اور اس سے ماخوذ اصولوں کی روشنی میں بھی کرتے تھے۔ مثال کے طور پر اپنی تصنیف زاد المعاد میں ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''اگر اس کی سند سورج کی طرح صاف اور نمایاں ہو تب بھی وہ غلط فہمی اور واہمہ کے سوا کچھ نہیں، کیوں کہ کسی صحیح حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ سے یہ الفاظ مروی نہیں۔ مثلاً یہ روایت: ''جسے عشق ہو اس کے باوجود وہ پاک دامنی کے ساتھ مر گیا وہ شہید ہے''۔ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ یہ روایت، جو نبی ﷺ کی طرف منسوب کی جاتی ہے، صحیح نہیں۔ یہ آپ کا کلام نہیں ہو سکتا، کیونکہ اللہ کے یہاں شہادت ایک عظیم الشان مرتبہ ہے، جو مرتبۂ صدیقیت سے متصل ہے۔ اس کے لیے کچھ اعمال مقرر ہیں، جو اس کے حصول کے لیے شرط ہیں۔ شہادت کی دو اقسام ہیں: ایک خاص، جو میدان جہاد میں ہو اور دوسری عام۔ اس کی پانچ انواع صحیح احادیث میں مذکور ہیں، لیکن عشقیہ شہادت کا ان میں شمار نہیں کیا گیا ہے۔ یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے، جب کہ یہ چیز اللہ سے دور کر دینے والی ہے اور یہ تو قلب اور روح کو غیر اللہ کی ملکیت میں دے دینے کا نام ہے، اس سے درجۂ شہادت کیسے ملے گا۔ یہ بالکل محال ہے، کیونکہ عشقِ صوری قلب کو حد درجہ فاسد اور خراب کر دیتا ہے، بلکہ یہ روح کی شراب ہے، جو اسے بدمست بنا کر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے، اس کے سامنے مناجات کرنے اور اس سے متلذّذ ہونے سے غافل کر دیتی ہے اور یہ اس بات کا موجب ہے کہ دل غیر اللہ کی عبادت میں محو ہو جائے۔ اس لیے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو دل غیر اللہ کی عبادت میں محو ہو وہ اتنے بلند درجات حاصل کر لے جو خواص اولیاء کرام اور بزرگان عظام کو ہی مل سکتے ہیں۔[۴۸]

درج بالا تفصیل سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حافظ ابن قیمؒ درایت حدیث کے میدان میں کس پایہ کے عالم تھے، کہ وہ کسی حدیث کی سند دیکھے بغیر اس کے صحیح یا موضوع ہونے کا پتہ لگا لیتے تھے۔ آپ کی کتب میں عموماً اور المنار المنیف میں خصوصاً یہ چیز دیکھنے کو ملتی ہے۔

# حواشی ومراجع


۱ المنار المنیف فی الصحیح والضعیف، شمس الدین ابن قیم الجوزیۃ، مطبوعہ بیروت، ۱۹۷۰ء، ص۴۳-۴۴

۲ فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث، شمس الدین محمد السخاوی، مطبوعہ انوار محمدی، ۱۳۰۳ھ، ص۱۱۳

۳ المنار المنیف، ص۵۰

۴ ایضاً ۵ ایضاً

۶ ایضاً، ص۶۱ ۷ ایضاً، ص۶۲

۸ ایضاً، ص۶۳ ۹ ایضاً، ص۶۳

۱۰ تذکرۃ الموضوعات، محمد طاہر بن علی الفتنی، بمبئی، ۱۳۲۳ھ، المنار المنیف، ص۵۷، ص۸۹

۱۱ المنار المنیف، ص۶۱-۵۷

۱۲ ایضاً، ص۸۱ ۱۳ مسند احمد: ۹۱/۶

۱۴ تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی: ۲۷۶/۱، جلال الدین سیوطی، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، پاکستان، ۱۳۷۹ھ، فتح المغیث، ص۱۱۴

۱۵ المنار المنیف، ص۸۰

۱۶ ایضاً ۱۷ ایضاً، ص۶۸

۱۸ ایضاً ۱۹ ایضاً، ص۶۷-۶۷

۲۰ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب السمر فی الفقہ والخیر بعد العشاء

۲۱ المنار المنیف، ص۶۷-۶۷

۲۲ موضوعات کبیر، ص۱۵۷، علی القاری (اردو ترجمہ، مولانا حبیب الرحمٰن، مطبوعہ کراچی

۲۳ المنار المنیف، ص۶۷ ۲۴ ایضاً، ص۷۳

۲۵ ایضاً، ص۱۰۰ ۲۶ مسند احمد: ۴۱۱/۵

۲۷ اللآلی المصنوعۃ، ص۲۷۱، المنار المنیف، ص۱۰۱

۲۸ المقاصد الحسنۃ، محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی، بغداد، ۱۹۵۶ء، ص۲۳۴

۲۹ تذکرۃ الموضوعات، محمد طاہر بن علی الفتنی، بمبئی، ۱۳۲۳ھ، ص۱۳۶

۳۰ ایضاً، ص۱۳۷ ۳۱ ایضاً، ص۱۳۶

۳۲ الاباطیل والمناکیر والصحاح والمناکیر، حسین بن ابراہیم الجوزقانی، جامعہ سلفیہ بنارس، ۱۹۸۳ء، ۲۴۴/۱ ۳۳ المنار المنیف، ص۱۱۶-۱۱۷

۳۴ سنن ابن ماجہ، ابواب ماجاء فی الصیام، باب صیام یوم عاشوراء
۳۵ سنن ترمذی، ابواب الصوم، باب ماجاء فی الحث علی صوم یوم عاشوراء، مسلم کتاب الصیام، باب فضل صوم المحرم
۳۶ مسند احمد: ۱/۲۴۱ ۳۷ المنار المنیف، ص ۴۷
۳۸ تذکرۃ الموضوعات، ص ۱۱۹ ۳۹ ایضاً، ص ۱۱۸
۴۰ المنار المنیف، ص ۱۱۲ ۴۱ اللآلی المصنوعۃ، ص ۳۶۷
۴۲ موضوعات کبیر، ص ۵۶۱، المنار المنیف، ص ۱۱۳
۴۳ المنار المنیف، ص ۴۶ ۴۴ ایضاً
۴۵ ایضاً ۴۶ ایضاً، ص ۴۶-۴۷
۴۷ عبدالفتاح ابوغدہ، مقدمہ المنار المنیف
۴۸ زادالمعاد، حافظ ابن قیم، (اردو ترجمہ: سید رئیس احمد جعفری)، نفیس اکیڈمی، کراچی، پاکستان، ۱۹۶۲، ۳/۶۰۴

☆☆☆


# غیر اسلامی ریاست اور مسلمان

## مولانا سید جلال الدین عمری

کسی غیر اسلامی ریاست میں مسلم اقلیت کا کیا موقف ہونا چاہئے اور اسلام نے اس سلسلے میں کیا ہدایات دی ہیں؟ یہ دورِ حاضر کا ایک اہم سوال ہے، اس کتاب میں اس کا مدلّل جواب فراہم کیا گیا ہے اور ان اعتراضات کا بھرپور رد کیا گیا ہے جو اس موضوع پر کیے جاتے ہیں۔ دین پر استقامت، عدل کا قیام، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، انسانی حقوق کا احترام، دفاع اور انتقام کا حق اور اس کی معنویت اور مطلوبہ دینی و اخلاقی کردار جیسے عنوانات پر ایک سنجیدہ اور عالمانہ بحث کا نمونہ۔ یہ کتاب اسلام اور مسلمان سے متعلق بعض غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کرتی ہے۔ صفحات: ۴۸ قیمت: ۲۵/= روپئے

**ملنے کے پتے:**
ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ-۲
مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵